پروفیسر اسلم انصاری

مفکر احرار چودھری افضل حق رحمتہ اللہ علیہ

تاریخ وفات ۸ جنوری ۱۹۴۲ء

سیرت و کردار:

چودھری افضل حق کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے تمام احساسات پر ان کی اخلاقی حس Moral sense غالب تھی، اگرچہ انہوں نے ایک بھر پور سیاسی زندگی بسر کی، تاہم اصطلاحاً وہ بنیادی طور پر ایک اخلاقی انسان تھے، ان کی زندگی کے تمام اہم فیصلے ان کی اخلاقی حس کے ساتھ بہت گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے سرکاری (انگریزی حکومت کی) ملازمت چھوڑ کر سیاسی زندگی اس لئے اختیار کی کہ یہ ان کے اخلاقی شعور کا فیصلہ تھا۔ سیرت و کردار کے عمومی مظاہر کے نقطہ نظر سے صبر و استقامت، بلکہ عزیمت ان کی شخصیت کے بہت نمایاں اوصاف دکھائی دیتے ہیں۔ وہ پولیس کی ملازمت چھوڑ کر آئے تھے، ترک ملازمت کے ایک ہی سال بعد انبالہ جیل میں ان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ ایک عام دل و دماغ کے انسان کے تمام تر فیصلوں کو متزلزل کرنے کے لئے کافی تھا، اسی طرح ۱۹۳۹ء میں راولپنڈی جیل کی اذیتیں بھی بے حد حوصلہ شکن تھیں، گورکھپور جیل کا ماحول ان کے لئے بے حد اجنبی تھا۔ پنجاب کا کوئی ساتھی اس جیل میں ان کے ساتھ نہیں تھا اور آزادی کی خواہش بعض اوقات انہیں شدید گھٹن اور اضطراب میں مبتلا کر دیتی تھی، معاشی اعتبار سے وہ قطعاً آسودہ حال نہ تھے، ترک ملازمت کے بعد ان کا کوئی مستقل ذریعہ آمدنی نہیں تھا۔ ان کی اہلیہ کے بیان کے مطابق وہ کتابیں لکھ کر گھر کا خرچ چلاتے تھے۔ (۱)

ان کے سیاسی نقطۂ نظر سے اختلاف کیا جاسکتا تھا، لیکن ان کی اخلاقی خوبیوں کا ہر کہ دمہ قائل تھا، مولانا غلام رسول مہر کے الفاظ میں:

"چودھری افضل حق مرحوم کا نام زبان پر آتے ہی ایک ایسی شخصیت کی یاد تازہ ہوجاتی ہے جو فکری اخلاقی اور عملی خوبیوں کی جامعیت کے لحاظ سے اپنی زندگی میں بھی بہت ممتاز سمجھی جاتی تھی اور اب تو یہ خوبیاں انفرادی حیثیت میں بھی بہت ہی کم پائی جاتی ہیں۔" (۲)

اسیری کے بعد پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے بھی ان کی حق گوئی اور بے باکی غیر معمولی تھی۔ ان کی تمام بحثوں، تقریروں اور تحاریک التوا میں مداہنت اور لومتہ لائم کا اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ بہت حد تک ایک ایسے اخلاقی مفکر Moral Thinker تھے جسے اپنے نظریات پر کامل یقین تھا، اور ان پر عمل پیرا ہونے کا حوصلہ بھی حاصل تھا۔ مولانا غلام رسول مہر ہی کے الفاظ میں۔

"چودھری صاحب مرحوم فکر و تدبر، اخلاص و ایثار اور ہمت و عزیمت کا ایک عجیب و غریب پیکر تھے۔ ان کا جسم خلقتاً بھی کمزور تھا۔ پھر قومی خدمت کے شدائد نے ان کی صحت تباہ کر ڈالی۔ انہیں تنفس کا

دورہ شروع ہوتا تھا تو زندگی کے لالے پڑ جاتے تھے۔ تاہم انہوں نے خدمت کے میدان سے حیاتِ مستعار کے آخری سانس تک ایک لمحے کے لئے بھی کنارہ کشی گوارا نہ کی۔"(۳)

وہ طبعاً سادگی پسند تھے، اسراف کو پسند نہیں کرتے تھے، حقہ نوشی سے انہیں شدید نفرت تھی اور اسے دیہاتی مسلمانوں کی پس ماندگی کا بہت بڑا سبب گردانتے تھے۔ وہ صفائی پسند تھے اور روحانی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ جسمانی پاکیزگی کو بھی بے حد اہمیت دیتے تھے۔ مذہب کے انسانی اور اخلاقی پہلو کو وہ زیادہ قابل توجہ اور قابلِ عمل خیال کرتے تھے۔ وہ ہر کہ مہ کا احترام انسانی نقطہ سے لازمی سمجھتے تھے۔ ان کی تعلیم ادھوری رہی تھی، لیکن وہ مطالعہ پسند اور علم دوست انسان تھے، سیاسی سرگرمیوں کے ہجوم اور شدائد حیات کی یورش میں بھی انہوں نے مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ چودھری افضل حق کے کردار کی تفہیم کے سلسلے میں ان کی اہلیہ کے چند بیانات بے حد اہم ہیں، وہ کہتی ہیں۔

"یوں تو وہ میرے خاوند تھے۔ میں ان کی تعریف کروں تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہ ہوگی، مگر میں بہ حیثیت مسلمان ہونے کے یہ کہتی ہوں کہ وہ سیرت و کردار کے لحاظ سے فرشتہ تھے۔ وہ قومی امور کو ذاتی مفاد پر ہمیشہ ترجیح دیتے تھے۔ وہ کتابیں لکھتے تھے اور ان کتابوں کی آمدنی سے بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ بعض اوقات ایسے مواقع بھی آئے کہ گھر میں کچھ بھی نہ تھا، تین تین دن ہم نے فاقے میں گزار دیئے، کبھی نمک مرچ سے روٹی کھائی، مگر ان کی خودداری کی تعلیم گھر کے سارے افراد میں کچھ اس طرح رچ بس گئی تھی کہ کسی کو بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ہم فاقے میں ہیں۔ اس حالت میں بھی اگر کوئی مہمان آگیا تو وہ قرض لے کر بھی مہمان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔"(۴)

افراد خاندان اور بہن بھائیوں کے ساتھ ان کے تعلقات مثالی تھے، اپنی والدہ سے انہیں بے حد محبت اور عقیدت تھی۔ وہ ایک سعادت مند بیٹے تھے۔ بچوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتے تھے۔ انہوں نے زندگی میں اپنی ذاتی آسودگی کے لئے کبھی بھی نہ سوچا، ان کی اہلیہ ہی کے الفاظ میں..... "انہوں نے زندگی بھر کوئی عیش نہ کیا۔ اپنی ذاتی آسانیوں کے لئے کبھی نہ سوچا۔ ہمیشہ قوم اور ملت کے مفادات کو سامنے رکھا۔"(۵)

افکار و خیالات:

عمومی اعتبار سے چودھری افضل حق کے افکار و خیالات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی۔ (۱) سیاسی افکار (۲) اخلاقی اور معاشرتی افکار

اگرچہ کسی انسان یا مفکر کے تمام افکار میں ایک نامیاتی رشتہ موجود ہوتا ہے لیکن نوعیت کے اعتبار سے ان کی درجہ بندی بھی ہو سکتی ہے اور مطالعے کے نقطۂ نظر سے انہیں الگ الگ کر کے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ سیاسی

اعتبار سے افضل حق نے اپنی زندگی کا آغاز خلافت اور کانگرس کے پلیٹ فارموں سے کیا۔ ترکوں کے ساتھ ان کی جذباتی وابستگی کا آغاز ان کے زمانہ طالب علمی ہی میں ہو گیا تھا، اس لئے ہر مخلص مسلمان کی طرح وہ تحریکِ خلافت میں اپنی پوری ذات کے ساتھ شامل ہونا چاہتے تھے۔ جب تحریکِ خلافت عروج پر تھی وہ برطانوی حکومت کی ملازمت کی پابندیوں میں تھے۔ جب ملازمت سے مستعفی ہو کر میدانِ سیاست کی طرف آئے تو تحریکِ خلافت زوال پذیر ہو چکی تھی۔ اور اس تحریک سے پیدا ہونے والے انگریز دشمنی اور حریت پسندی کے جذبات کو گاندھی کی عملی سیاست کانگرس میں جذب کر رہی تھی۔ افضل حق کا مجموعی سیاسی نصب العین وطن کی آزادی اور ملک کا سدھار تھا۔ وہ برصغیر کے مسلمانوں کی حالت زار سے بہت پریشان تھے، اس لئے ان کی تمام ابتدائی کوششوں میں سیاسی بیداری کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح کے مقاصد بھی نمایاں ہیں۔ ان کے سیاسی افکار کے ایک معتد بہ حصے پر تاریخ کے فیصلوں نے خاموش تبصرہ رقم کر دیا ہے۔ وہ اگرچہ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۹ء تک خلافت کمیٹی کے رکن ہونے کے ساتھ ساتھ کانگرس کے فعال رکن رہے، لیکن وہ مہاتما گاندھی کے اندھے مقلد بھی نہیں تھے، ۱۹۲۲ء میں جب گاندھی نے خلافت تحریک سے پھوٹنے والی عدم تعاون کی تحریک کو ختم کرنے کا اعلان کیا تو افضل حق جیل میں تھے، "میرا افسانہ" میں افضل حق نے اس اعلان (باردولی ریزولیوشن) کے بارے میں اپنے جن تاثرات کو قلم بند کیا ہے، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس فیصلے سے انہیں خاصا اختلافات تھا، بلکہ تعریض کے پیرائے میں انہوں نے اس فیصلے کو بزدل قرار دیا، اور کہا کہ "تیس ہزار نفوس کو پابند بلا کر کے پسپائی پر کوئی مبارک باد نہیں دے سکتا۔" (٦)

آزادیٔ وطن کی خاطر کانگرس کے ساتھ اشتراکِ عمل کے باوجود وہ ہندوؤں کی تنگ نظری اور ان کی مسلمان سے دشمنی کی روش سے اکثر آزردہ خاطر رہے۔ سیاسی یا اخلاقی قیدیوں کی حیثیت سے جیلوں میں ہندو لانگریوں (باورچیوں) کے ہاتھوں مسلمانوں کی ذلت اور تحقیر کے جوالم ناک مناظر افضل حق نے بذاتِ خود دیکھے تھے، ان مناظر نے ان کے احساسات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

"قیدی کی حیثیت سے صبح و شام ہندو اور سکھ اہلِ وطن کے ہاتھوں روٹی کی تقسیم پر جو ذلت ہوتی تھی اس سے مسلمان محبانِ وطن بجا طور پر برافروختہ تھے۔ ہندو اور سکھ لانگری کتے کی طرح دور سے روٹی پھینکتے تھے۔ مسلمان ان کے قریب آیا یا کپڑا چھوا نہیں تو قیامت آئی نہیں۔ دورِ عدم تعاون سے قبل جیلوں میں یہ سلوک بھی دو قوموں کی بڑی بڑی لڑائیوں کا باعث تھا۔

"ہندو سیاسی طور پر خواہ کتنا اشتراکِ عملی کا مدعی ہو لیکن اقتصادی اور معاشرتی طور پر وہ من حیث القوم تنگ دل اور تنگ نظر ہے۔" (۷)

اس احساس نے انہیں آزادی فکر کی ایک ایسی اساس فراہم کی جس کی بدولت ان کے سیاسی فکر میں ارتقا ممکن ہو سکا۔ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۹ء تک ان کی عملی زندگی کا بیشتر حصہ جیل کی اصلاحات کو ممکن بنانے میں صرف ہوا، اس عرصے میں ان کی سیاسی فکر انقلابی تصورات سے مملو نظر آتی ہے۔ انہوں نے بعض ان

تحریکوں میں بھی بڑھ چڑھ کو حصہ لیا جو خالصتہً مسلمانوں کی تحریکیں تھیں، مثلاً آزادی کشمیر کی تحریک، ریاست کپور تھلہ کی تحریک، وغیرہ اسی طرح انہوں نے لیجسلیٹو کونسل میں پولیس کے محکمے کی اصلاحات پر جو تقریریں کیں وہ بھی ان کی اخلاقی فکر کا حصہ ہیں۔ کسانوں اور نچلے طبقے کے پسے ہوئے لوگوں کے لئے ان کے دل میں بے پایاں ہمدردی تھی۔ اور وہ ذہنی طور پر کسی ایسے نظامِ حیات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے جس میں استحصال کے امکانات موجود ہوں۔ پولیس کی ملازمتوں میں انہوں نے مسلمان ملازموں کے تناسب کی کمی کو لیجسلیٹو میں پوری طرح اجاگر کیا۔ انہوں نے کہا کہ "ان ملازمتوں میں مسلمانوں کے تناسب کا فقدان ہے، اس لئے مسلمان انسپکٹروں کی بھرتی مزید ہونی چاہئیے۔"(۸)

ایک ہندو رکن کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ مسلمان تھانیداروں کی تعداد (پنجاب میں) ۵۶ فی صد سے زیادہ نہیں، تب سے سات سال پہلے ان کی تعداد ۶۰ فیصد تھی، مگر یہ کم ہو کر ۵۶ فیصد ہو گئی، اس کے مقابلے میں ہندو تھانیداروں، ہیڈ کانسٹیبلوں اور سپاہیوں کی تعداد مسلسل بڑھتی رہی ہے، انہوں نے کہا:

"شاید میرے دوست کو اس حقیقت کا علم نہیں ہے کہ بعض مستحق مسلمان انسپکٹروں کی ترقی روک دی گئی ہے تاکہ ان ہندو انسپکٹروں کو ڈی ایس پی بنایا جائے جنہیں تحقیقاتی کام کا کوئی تجربہ حاصل نہ تھا..... میں یہ بات بخوبی جانتا ہوں کیونکہ اس محکمے سے منسلک رہ چکا ہوں (کہ) کس طرح نا اہل ہندوؤں کو ترقی دی جاتی ہے۔ اور قابل محنتی مسلمان ترقی سے یکسر محروم رکھے جاتے ہیں۔"(۹)

لیجسلیٹو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے افضل حق نے تعلیم کے موضوع پر بھی حقائق پر مبنی فکر انگیز خیالات کا اظہار کیا۔ اور خاص طور پر پنجاب میں ابتدائی تعلیم کے معاملات و مسائل پر غیر معمولی بصیرت کا مظاہرہ کیا۔(۱۰)

"ذبیحہ گاؤ" کے موضوع پر انہوں نے کونسل کے یکم مارچ ۱۹۲۶ء کے ایک اجلاس میں خاص بے باکی کے ساتھ بعض خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا۔

"دودھ کے فقدان اور مویشیوں کی تعداد میں معتد بہ کمی کی بڑی وجہ گائے کی قربانی بیان کی جاتی ہے۔ میرے خیال میں یہ دلیل اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتی۔ حقیقت یہ ہے کہ بوڑھی اور بے مصرف گائے ہمارے ملک کی اقتصادی پشت پر ایک بہت بڑا بوجھ ہے اس کو جتنی جلدی اتار پھینکا جائے اتنا ہی ہمیں فائدہ ہو گا میں سمجھتا ہوں ہمارے ہندو بھائی گئو ماتا کو مقدس مان کر اس کی پوجا کرتے ہیں، مگر انسانی بہبود کا انہیں کوئی خیال نہیں رہتا۔"(۱۱)

ان کے سیاسی افکار میں جو ارتقا واقع ہوا اس کا بھرپور اظہار ان کے دو صدارتی خطبوں (۱۹۳۹ء - ۱۹۴۱ء) اور ان کی انگریزی تصنیف "پاکستان اور اچھوت" میں ہوا، اس سلسلے میں ان کے ایک خطبۂ صدارت کا ایک اقتباس، گو کہ طویل ہونے کے باوجود، ان کے فکری ارتقا کے مطالعے کے نقطۂ نظر سے، نقل کرتے

کے قابل ہے۔

اپریل ۱۹۳۹ء میں پشاور میں آل انڈیا احرار کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں انہوں نے بہت واضح الفاظ میں کانگرس کی عمومی روش پر تبصرہ کیا۔

"عملی طور پر یہ سچ ہے کہ مشترکہ سیاسی مقصد کے لئے مشترکہ سیاسی تنظیم کی ضرورت ہے۔ لیکن کانگرس مشترکہ سیاسی تنظیم کے وعدوں کے باوجود مسلمانوں کی راہ میں عملی طور پر مشکلات کا پہاڑ کھڑا کئے ہوئے ہے۔ کانگرس گو مذہب میں غیر جانبداری کی مدعی ہے۔ مگر اس کی رہنمائی کی باگ ڈور ہندو مذہب کے ایسے شیدائی مہاتما گاندھی کے ہاتھ میں ہے کہ غیر محتاط لوگ جس کے جوشِ مذہب کو نامناسب مذہبی شغف سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ اچھوتوں کو ہندوؤں کا جزو لاینفک تسلیم کرانے کے لئے مرن برت رکھ کر ہندوؤں کی مذہبی حس کو قومی کرتا ہے۔ اس کے برعکس کانگرسی ہندو صرف اس مسلمان کی عظمت کا اقرار کرنے کا عادی ہے جو نہ صرف اپنے آپ کو اسلام سے بیگانہ ظاہر کرے بلکہ قول و عمل سے اس کی تضحیک بھی کرے۔ وہ (مسلمان کانگرسی لیڈر) کانگرس میں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو ناراض کرنا اپنی سیاست کا ضروری جزو سمجھتے ہیں۔ ایسے کانگرسی مسلمانوں کی نامانوس صورت دیکھ کر ہی عامۃ المسلمین کانگرس کے دفتر کو شوجی کا مندر سمجھنے لگتے ہیں اور قیاس کرتے ہیں کہ ہمیں کانگرس میں داخل ہو کر شاید (مندروں کے گھنٹے بجانے پڑیں۔ بنا بریں مسلمان کانگرس کے لئے کوئی کشش نہیں پاتا..... مسلمانوں میں کانگرس کا زبانی پروپیگنڈہ تو ہوسکتا ہے لیکن مسلمانوں کو کانگرس میں بحالاتِ موجودہ شامل نہیں کیا جاسکتا، تم گھوڑے کو دریا تک تو لے جاسکتے ہو مگر پانی پینے پر مجبور نہیں کرسکتے۔" (۱۲)

۱۹۳۹ء میں فوجی بھرتی کے بائیکاٹ کی تحریک میں شامل ہو کر افضل حق ایک بار پھر پسِ دیوارِ زنداں چلے گئے، اور ۱۹۴۰ء کا سال انہوں نے قید و بند ہی میں گذارا۔ اس عرصے میں ان کا ذہن مسلسل ہندوؤں اور مسلمانوں کی کشمکش کو سمجھنے کی کوشش میں مصروف رہا، اس کوشش کا نتیجہ ان کی پہلی اور آخری انگریزی کتاب Pakistan And Untouchability کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہ مختصر کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے، اس کتاب میں انہوں نے مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کو ہندوؤں کے چھوت چھات کے عقیدے اور عمل کی روشنی میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی، انہوں نے ثابت کیا کہ ہندو مسلمانوں کو عملی زندگی میں اچھوت کا درجہ دیتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے لمس اور سائے سے بھی گریزاں اور ترساں ہیں اور مسلمانوں کو ہمیشہ فاصلے پر رکھتے ہیں، وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر کھانا کھانے کا تصور بھی نہیں کرسکتے، وہ مسلمان کی موجودگی میں بھی باکراہ کھانا کھاتے ہیں، مسلمان کا سایہ بھی ان کے دھرم کو بھرشٹ کر دیتا ہے، پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ زندگی کے وسیع تر معاملات میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں کامل ہم آہنگی اور یگانگت پیدا ہوسکے۔ اس موضوع پر انہوں نے اپنے بچپن کے بعض واقعات کا حوالہ دیا کہ کس طرح ایک ہندو دکاندار نے کپڑا چھو جانے پر غلیظ اور فحش گالیوں سے ان کی تواضع کی۔ (۱۳) مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کے

کے حوالے سے اسی کتاب میں انہوں نے لکھا کہ اپنے مطالبے کے سلسلے میں "انہیں (مسلم لیگ کے راہنماؤں کو) پورا یقین ہے کہ مسلمان ان کا ساتھ دیں گے۔ مسلمان، لیگ کے لیڈروں کے حکم پر جان کی بازی بھی لگا دیں گے کیونکہ ہندو کے طرزِ عمل سے وہ بے حد دکھی ہیں۔ ہندو بنیا مسلمان قرض دار سے بد ترین سلوک روا رکھتا ہے اور اپنے (مسلمان) ہمسائے کو اچھوت سے بھی برا خیال کرتا ہے۔ ہندوؤں کے سیاسی لیڈروں کی کوئی تحریک ان کے لئے کشش نہیں رکھتی، کیونکہ روزمرہ کی زندگی میں ہندوؤں کی تنگ نظری اظہر من الشمس ہے۔" (۱۴)

اس کتاب میں انہوں نے واضح الفاظ میں اعتراف کیا کہ چونکہ (قائداعظم) محمد علی جناح نے ہندوؤں کی جانب سے مسلمانوں کے مجلسی بائیکاٹ اور ان کی ہٹ دھرمی کے ہاتھوں مجبور ہو کر مسلمانوں کی آزادی کی جدوجہد کا آغاز کیا ہے، اس لئے "وہ مسلمان عوام کی آنکھ کا تارا بن چکے ہیں۔" (۱۵)

انہوں نے اس حقیقت کا بھی کھلے الفاظ میں اعلان کیا کہ (قائداعظم) محمد علی جناح جو شروع ہی سے ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے، لیکن بعض ہندوؤں کی بدولت ان کی اتحاد کی تمام کوشش بے ثمرہ رہیں۔ (۱۶)

ان کے سیاسی فکر کے ارتقا کی آخری کڑی ان کے آخری خطبۂ صدارت کے بعض حصوں میں نمودار ہوئی جو انہوں نے یکم دسمبر ۱۹۴۱ء کو قصور میں دیا، اس خطبے میں اور بہت سی باتوں کے علاوہ انہوں نے مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان کو دکھے دلوں کی فریاد وفغاں قرار دیا، انہوں نے پاکستان کے مطالبے کو ہندوؤں کے طرزِ عمل کا منطقی نتیجہ قرار دیتے ہوئے کہا:

"دیکھنا۔ پاکستان کے نعرے کی مخالفت نہ کرنا۔ یہ دکھے دلوں کی فریاد وفغاں ہے۔ یہ غلام اچھوتوں یعنی ہندی مسلمانوں کی دردناک صدائے بازگشت ہے جو دل کی گہرائیوں سے نکلی ہے اور پھر دماغ کے گنبد سے ٹکرا کر واپس لوٹی ہے۔ ہندو سوسائٹی کا ماحول ایسا تنگ ہے کہ وہاں مسلمانوں کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ ہندو ذاتی حیثیت میں بہترین انسان ہے، لیکن عجیب بد نصیبی ہے کہ یہی مرنجاں مرنج افراد جب جماعتی حیثیت سے بیٹھتے ہیں تو مسلمان کی جان اجیرن ہو جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر اور انہیں علیحدہ رکھ کر سوچتے ہیں۔ مسلمان بایں ہمہ رہ کر بھی بے ہمہ سا محسوس کرتا ہے۔ ہندو یہ کبھی قیاس ہی نہیں کرتا کہ اس کے طرزِ عمل کا کوئی ردِ عمل بھی ہو گا یا ہو سکتا ہے۔ علیحدہ انتخاب اور علیحدہ گھر۔ تباہ نہ ہونے کا آخری چارہ کار کیا ہے۔ جب اکثریت اپنی تنگ دلی سے دوسرے پر عزت کی کوئی راہ باقی نہ رکھے تو بوکھلا کر بھاگ کھڑے ہونے کے سوا چارہ کار کیا ہے؟ پاکستانی غریب دراصل ہندو سرمایہ دار سوسائٹی کے طرزِ عمل سے بھاگا ہوا مسلمان اچھوت ہے، یہ چاہتا ہے کہ مرنے بھرنے کے لئے کوئی کونہ مل جائے جہاں وہ آرام سے پڑا رہ جائے۔" (۱۷)

یہ خطبہ یکم دسمبر ۱۹۴۱ء کو دیا گیا اور اس سے صرف ایک ماہ ایک ہفتہ بعد یعنی ۸ جنوری ۱۹۴۲ء کو افضل حق خالق حقیقی سے جاملے۔ ان کے سیاسی فکر میں جو ارتقا واقع ہوا اور حقیقت پسندی کا جو رجحان ان کی شخصیت کے قومی عنصر کی حیثیت سے اکثر بروئے کار آتا رہتا تھا، اس کو دیکھتے ہوئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس فکری ارتقا کا اگلا قدم کیا ہو سکتا تھا۔

اخلاقی اور معاشرتی افکار:

چودھری افضل حق کے افکار کا ایک معتدبہ حصہ ایسا ہے جسے ہم ان کے غیر معمولی اخلاقی شعور سے منسوب کر سکتے ہیں۔ ان کے اندر ایک صوفی، ایک شاعر اور ایک سیاسی مدبر کی خوبیاں بدرجہ تم موجود تھیں لیکن ان سب سے بڑھ کر وہ ایک اخلاقی مفکر تھے، ان کے اخلاقی شعور کا بہت گہرا رشتہ ان کے معاشرتی پس منظر کے ساتھ تھا لیکن ان کی غیر معمولی اخلاق حس ان کی انفرادیت کا حصہ تھی، وہ اپنی قوم اور اپنے وطن کی غلامی کے احساس سے اوائل عمر ہی سے گراں بار تھے، انگریزوں اور مغربی اقوام کی مسلمان اقوام اور بالخصوص ترکوں کے ساتھ مسلسل ناانصافیاں اور مظالم کا احساس ان کے اخلاقی شعور کی اولین اساس تھا، پولیس کے محکمے میں ایک محنتی، دیانتدار اور انسان دوست افسر کی حیثیت سے ان کے تجربات نے ان کی اخلاقی حس کو اور صیقل کیا، اور تحریک خلافت میں تحریک کے راہنماؤں کی شعلہ بیانی نے اس حس کو جگا کر اسے فکر و عمل کا ایک ایسا راستہ بنا دیا جو بظاہر خارزاروں سے آراستہ تھا، لیکن ان کے ضمیر کی تسکین کا سامان بھی تھا۔ وطن کی آزادی کا حصول، ان کے لئے زندگی کی سب سے بڑی آرزو اور ان کے اخلاقی تصورات کی رو سے سب سے بڑی اخلاقی قدر تھی۔ اس راستے پر چلتے ہوئے اس منزل کے سفر میں وہ سات سال تک قیدیوں کی فلاح اور جیل خانوں کی اصلاح کے لئے عملی اور فکری طور پر جدوجہد کرتے رہے، اسی ذیل میں انہیں۔ انسان کے ہاتھوں انسان کی ذلت، تحقیر اور اہانت کے دل گداز اور دل شکن مناظر اور مظاہر بھی دیکھنا پڑے۔ اس لئے ان کے دل میں استحصالی طبقات کے لئے نفرت کا شدید جذبہ پیدا ہوا۔ اگرچہ عمومی سطح پر آزادی وطن ان کا نصب العین تھا، لیکن اپنے عمیق ترین جذبات اور اپنے نہایت شخصی احساسات کے اعتبار سے وہ مسلمانوں کی غربت، ان کی جہالت، ان کی پس ماندگی اور ان کی ظاہری عدم طہارت سے سخت ناآسودہ اور ملول رہتے تھے، وہ مسلمانوں کو آزادی پسند، آسودہ حال، صحت مند، تعلیم یافتہ اور ظاہری طور پر صاف ستھرا دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ غریبوں، مزدوروں، کسانوں اور کم تر درجے کے انسانوں کے لئے ایک بہتر معیارِ زندگی کے حصول کے خواب دیکھتے تھے۔ محنت اور سرمایہ کی کشمکش میں ان کا دل برابر محنت کی طرف جھکا ہوا تھا۔ اور اس سلسلے میں ان کا سب سے بڑا حوالہ قرآن کریم اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی تعلیمات تھیں۔ ان کی ذاتی زندگی

دیانت، محنت اور شرافت کا نمونہ تھی۔ ان کے سیاسی فکر سے واضح طور پر اختلاف رکھنے والوں نے بھی ان کی اخلاقی کمزوریوں کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ اور یہی ان کی عملی زندگی کا سب سے بڑا "کارنامہ" ہے۔ ان کے اخلاقی تصورات ان کے اہم ترین ادبی تصنیف "زندگی" میں بھرپور اور مربوط طریقے سے ظاہر ہوئے ہیں۔

حوالہ جات:

(۱) قاسمی، ابو یوسف: "مفکرِ احرار چودھری افضل حق"۔ بساطِ ادب لاہور ۲۔ ۱۹۹۱ء (بیگم چودھری افضل حق سے مؤلف کا انٹرویو) ص ۹۵

(۲) مہر، غلام رسول، مولانا: پیکرِ عزیمت۔ مطبوعہ روزنامہ آزاد لاہور۔ ۳ فروری ۱۹۵۷ء

(۳) مہر، غلام رسول، مولانا: پیکرِ عزیمت۔ مطبوعہ روزنامہ آزاد لاہور۔ ۳ فروری ۱۹۵۷ء

(۴) قاسمی، ابو یوسف: "مفکرِ احرار چودھری افضل حق"۔ بساطِ ادب لاہور ۲۔ ۱۹۹۱ء (بیگم چودھری افضل حق سے مؤلف کا انٹرویو) ص ۹۴، ۹۵

(۵) قاسمی، ابو یوسف: "مفکرِ احرار چودھری افضل حق"۔ بساطِ ادب لاہور ۲۔ ۱۹۹۱ء (بیگم چودھری افضل حق سے مؤلف کا انٹرویو) ص ۹۷

(۶) افضل حق، چودھری: میرا افسانہ ج ۱۔ ص ۱۱۲

(۷) افضل حق، چودھری: میرا افسانہ ج ۲۔ ص ۱۷

(۸) قاسمی، ابو یوسف: مفکرِ احرار چودھری افضل حق۔ لاہور۔ ۱۹۹۱ء ص ۲۸۸

(۹) قاسمی، ابو یوسف: مفکرِ احرار چودھری افضل حق۔ لاہور۔ ۱۹۹۱ء ص ۲۸۹

(۱۰) قاسمی، ابو یوسف: مفکرِ احرار چودھری افضل حق۔ لاہور۔ ۱۹۹۱ء ص ۲۹۰ تا ۳۰۷

(۱۱) قاسمی، ابو یوسف: مفکرِ احرار چودھری افضل حق۔ لاہور۔ ۱۹۹۱ء ص ۳۱۷

(۱۲) قاسمی، ابو یوسف: مفکرِ احرار چودھری افضل حق۔ لاہور۔ ۱۹۹۱ء ص ۱۸۹، ۱۹۰ بحوالہ خطباتِ احرار صدارتی خطبہ پشاور

(۱۳) قاسمی، ابو یوسف: مفکرِ احرار چودھری افضل حق۔ لاہور۔ ۱۹۹۱ء ص ۱۹۴ بحوالہ پاکستان اور اچھوت (انگریزی) ص ۳۸، ۳۹)

A bl Haqu, Chaudhri, Pa kistan & Ui urtouofchitly P,55(۱۵)

(۱۶)A fzal Haqu, Chaudhri, Pakistan & Untouofchitly P,55

(۱۷) خطباتِ احرار، مکتبہ مجاہدینِ احرار لاہور، ۱۹۴۴ء ص ۷۷ تا ۸۳

مجلس احرار اسلام کے قدیم کارکن سالار شیخ عبدالحیٔ لدھیانوی کی اہلیہ ۲۶ دسمبر کو ملتان میں انتقال کر گئیں۔ مرحومہ، احرار کارکن شیخ قمر الدین لدھیانوی مرحوم کی بڑی بیٹی، شیخ محمد حسن کی ہمشیرہ اور جناب حسین اختر لدھیانوی کی سالی تھیں۔

قارئین اور رفقاء کرام سے درخواست ہے کہ تمام مرحومین کے لئے دعا مغفرت اور ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر عطاء فرمائے (آمین) اراکین ادارہ تمام مرحومین کے لواحقین سے اظہارِ تعزیت کرتے ہیں اور مسافرانِ عدم کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں۔